تفسیر جواہرُ القرآن اور اس میں ربط و نظمِ قرآن کی فنی کاوشوں کا تحقیقی جائزہ

Overview of Technical Endeavors of Quranic Coherence in Tafsir “Jawahir al Quran”

ڈاکٹر سید محمد طاہر شاہ *

ڈاکٹر ثناء اللہ حسین **

ABSTRACT

A Large number of Tafaseer (Exegeses) have been compiled in Sub-Continent under many trends of Tafaaseer.One of these trends is according to Coherence (Rabt) of Quraan. Many nterpreters (Mufassareen) also compiled their Tafaseer with the preference Of Rabat-O-Nezam (Coherence). One of them was Molana Ghulam Ullah Khan who was the representative of famous Maktab E Tafseer, Hussain Ali Alwani, with coherence. He compiled Tafseer Jawahir Ul Qur'an which is not only the collection of the references of basic Tafaaseer but also a great source of Rabt-O-Nazm-E-Quran. In fact, this Tafseer is compiled on the bases of Tafseer 'Bulghat Ul Hairaan' written by his Shaikh and teacher 'Molana Hussain Ali Alwani 'of Mianwali, who was considered a great mufassir (Interpreter of Qur'an) of Subcontinent. In order to explain The Quranic verses with coherence, Molana Ghulam Ullah Khan used various techniques ,ways and aspects like: The coherence Of surah with surah by their names and by their meanings, The coherent summaries of surahs, coherence of verses with verses,The use of many specific and unique terminologies to connect the topics and verses of Qur'an and interpretation of Qur'an according to the context. This work in Tafseer proved very useful not only in relateing and connecting the verses but also in understanding The Qur'an easily. This Tafseer and its methodology is considered very useful in urdu to understand Qur'an and can be used as a model and example for working on Rabt O Nazm-E-Qur'an also.

In this article besides introducing this interpretation and its interpreter all the techniques and aspects have been discussed that are used uniquely by the interpreter of Jawahir Ul Qur'an to create coherence in Quranic meanings so that these can be followed for this purpose as a good model..

Keywords: Jawahir al Quran,Tafsir, Quranic coherence, technical aspects

---

* اسسٹنٹ پروفیسر علوم اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سیٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی

** ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ قرآن و تفسیر کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

تمہید

قرآنِ مجید کی تفسیر کے مختلف اسالیب پر دنیا بھر میں جو کام ہوا اس کا ایک خاطر خواہ حصہ برصغیر کے مقدر میں آیا۔ برصغیر میں علماء نے کئی اسالیب تفسیر میں گراں قدر تفسیری خدمات سرانجام دیں۔ ان اسالیب میں ایک معروف اسلوب ورجحان ربط ونظم قرآن کا بھی ہے۔ ربط ونظم پر تفسیری کام کرنے والے علماء میں سے ایک نام شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ[1] کا تھا۔ جو کہ مربوط تفسیر نویسی کے مشہور مکتب حسین علی کے نمائندہ اور شارح سمجھے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنے شیخ مولانا حسین علی الوانیؒ کے افادات واصولوں کی روشنی میں ایک تفسیر "جواہر القرآن" کے نام سے مرتب کی۔ یہ تفسیر آپ کے شیخ اور برصغیر کے نامور مفسر مولانا حسین علی کے تفسیری افادات کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر کئی معتبر اور ماخذ تفاسیر کی جامع اور ربط ونظم کا ایک بہترین شاہکار بھی ہے۔ مفسر نے ربط ونظم قرآن کے بیان میں نہایت عمدگی کے ساتھ تجدیدی اور منفرد علمی وفنی کاوشیں کرتے ہوئے سورتوں کے آپس میں اسمی ومعنوی ربط، سورتوں کے مربوط خلاصے، آیات کے آیات سے ربط اور مضامین قرآن کو مخصوص تفسیری اصطلاحات کے ذریعہ مربوط ویکجا کرنے جیسے ذرائع استعمال کیے۔ اور ربط کے اس عمل میں تکلف اور دوراز کار تاویلات کا سہارا لینے کی بجائے حقیقت سے قریب تر، راجح اقوال کے انتخاب، سیاق وسباق سے ہم آہنگ اور مضامین کی ترتیب کے مطابق آسان اور قابل فہم روابط متعین کر کے بیان فرمائے۔

ربط ونظم کا یہ انداز فہم قرآن میں کئی اعتبار سے کافی مفید ثابت ہوا اور اس سے نہ صرف نصوص قرآنیہ کا فہم آسان ہو گیا بلکہ ربط قرآن پر ماضی میں اردو زبان میں کیے گئے کاموں میں اس مفید کام کا خوبصورت اور علمی اضافہ بھی وجود میں آیا۔ نیز یہ اسلوب اردو میں متعارف ہو کر کافی مقبول بھی ہوا۔ زیر نظر مضمون میں اس تفسیر اور

---

[1] ۔ مولانا غلام اللہ خانؒ ۱۹۰۴ء میں دریہ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے ابتدائی کتب مقامی علماء سے جبکہ معقولات ومنقولات کی کتب مولانا غلام رسولؒ انہی والے اور مولانا ولی اللہؒ جیسے معروف زمانہ اور جید اساتذہ کرام سے پڑھیں۔ ترجمہ قرآن، تفسیر اور حدیث عظیم مفسر قرآن مولانا حسین علی الوانی (م ۱۳۶۳ھ) سے واں بھچراں میانوالی پنجاب میں جبکہ دورہ حدیث علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے عظیم محدثین کرام سے ڈابھیل میں پڑھا۔ بعد ازاں مولانا حسین علی کے ہاتھ پر نقشبندی مجددی طریق پر بیعت کر کے اپنے شیخ کے خلیفہ اعظم مقرر ہوئے اور ان سے شیخ القرآن کا لقب پایا۔ آپ ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء کو متحدہ عرب امارات میں ایک تبلیغی سفر کے دوران حرکت قلب بند ہونے پر انتقال کر گئے۔ (محمد عبد المعبود، سوانح حیات مولانا غلام اللہ خان، کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی، ۱۴۱۰ھ، ص ۴۴۳،)۔

مفسر کا تعارف اور اس میں ربط و نظم کے بیان کا تفصیلی و تحقیقی جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ فہم قرآن میں اس کی اہمیت و افادیت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

تفسیر جواہر القرآن کا علمی مقام

مؤلف تفسیر مولانا غلام اللہ خانؒ نے اپنے شیخ مولانا حسین علیؒ کی فکر و فہم، تعلیمات و نظریات اور تفسیری معارف و افادات کی بسط و تفصیل سے ترویج و اشاعت کے لیے ان کی املائی مختصر تفسیر "بلغۃ الحیران" کی تسہیل و تشریح کرتے ہوئے اور اسے بنیاد بناتے ہوئے ایک مکمل اور جامع تفسیر "جواھر القرآن" کے نام سے مرتب کی جو کہ تین جلدوں میں مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی سے شائع ہوئی۔ یہ تفسیر نہ صرف مولانا حسین علی کے افادات و افکار کی حامل ہے بلکہ سلف کی تمام معتبر تفاسیر کی جامع بھی ہے اس لیے قرآن فہمی کے لیے یہ ایک نادر تفسیر ہے۔

تفسیر کے بارے میں مولانا سلیمان ندویؒ یوں رقمطراز ہیں: "راستہ میں آپ کی کتاب (مراد جواہر القرآن) پڑھی۔ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کے شیخ (مولانا حسین علیؒ) رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک پر فکر و فہم کی بڑی دولت پائی تھی۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ ان سے متمتع ہوئے"۔[1]

مؤلف حیات شیخ القرآن اس تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں "مسئلہ توحید کا بیان اس تفسیر کا اصل امتیاز ہے۔ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اہل علم اور قرآن کے شائقین کا اولین انتخاب جواہر القرآن ہوتا ہے اور یہی اس کے قبول عام ہونے کی دلیل ہے"۔[2]

ربط و نظم قرآن اور جواہرُالقرآن میں اس کا اُسلوب والتزام

ا۔ ربط و نظم کا مفہوم

جواہر القرآن میں ربط و نظم کے بیان سے پہلے ضروری ہے کہ ربط و نظم کا معنی و مفہوم واضح کر دیا جائے۔ اگرچہ ربط و نظم کے الفاظ روزمرہ گفتگو میں بھی عام طور پر استعمال ہوتے ہیں تاہم یہاں یہ الفاظ قرآن مجید کے ربط و نظم کے خاص سیاق وسباق میں بیان کیے جائیں گے۔

الف۔ نظم کا لغوی مفہوم

نظم کا لغوی معنٰی بیان کرتے ہوئے لسان العرب کے مصنف ابن منظور (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

۱۔ ندوی، سید سلیمان، مقدمہ جواہر القرآن مولانا غلام اللہ خان، ج ۱ ص ۷

۲۔ میاں محمد الیاس، انجینئر، حیات شیخ القرآن، مقدمہ

ا لنظم التالیف ---نظمت اللولؤ ای جمعته فی السلک و التنظیم مثله---وکل شیء قرنته باخر او ضممت بعضه الیٰ بعض فقد نظمته۔[۱]

(یعنی نظم کے معنی ہیں ملانا اور جوڑنا، نظمت اللولؤ یعنی میں نے موتی کو لڑی میں پرو دیا، اسی طرح تنظیم کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر وہ چیز جس کو آپ کسی اور کے ساتھ جوڑیں یا اس کے کچھ حصے کو کچھ حصے کے ساتھ ملا دیں تو اسے نظم کہا جائے گا۔)

ب۔ نظم قرآن کا مفہوم

نظم قرآن سے مراد ہے کہ قرآن مجید ایک مربوط اور منظم کلام ہے۔ آیات قرآنیہ اور ان کے مضامین آپس میں ایک لڑی کی طرح منسلک اور جڑی ہوئی ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نظم قرآنی کو یوں واضح کرتے ہیں کہ "کلام کا حسن یہ ہے کہ خواہ کوئی شعر ہو، خط ہو یا خطبہ، ان کے کلمات ابتداء سے انتہا تک ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ بہترین کلام وہ ہے جس کے اجزاء باہم مربوط ہوں قرآن کریم کی تمام آیات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے"۔[۲]

فلسفہ نظم قرآن کے ترجمان اور شارح مولانا حمید الدین فراہیؒ نظم قرآن کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"نظم سے ہماری مراد یہ ہے کہ پوری سورت ایک مکمل وحدت کی صورت میں ظاہر ہو۔۔۔اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو پورا قرآن ایک وحدت نظر آئے گا جس کے جملہ اجزاء میں شروع سے آخر تک ایک خاص طرح کی مناسبت اور ترتیب پائی جاتی ہے"۔[۳]

مفسرین کرام نے نظم قرآن کے لیے اس کے چند مترادفات جیسا کہ ربط، تناسق، توافق، اور تناسب جیسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔

۱۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، مادہ نظم، ۱۹۵۴ء، دار صادر بیروت، ج۱۲ص ۵۷۸

۲۔ ابن قیم، علامہ، کتاب الفوائد، ص ۲۲۴

۳۔ فراہی، حمید الدین، رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن، (المجموعہ) ترجمہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، الدائرۃ الحمیدیۃ ۱۹۹۱ء، ص ۸۷

ربط و نظم قرآنی پر مفسرین کی تحقیقات اور تفسیری کاوشیں

ربط و نظم قرآنی پر متقدمین، متاخرین اور عصر حاضر کے مفسرین نے خاطر خواہ کام کیا اور اس موضوع پر مستقل کتب لکھنے کے ساتھ ساتھ اس انداز کی تفاسیر بھی لکھیں۔ ذیل میں ان تحقیقات اور کاوشوں کا ایک سرسری جائزہ لیا جاتا ہے۔

الف۔ متقدمین کا کام

متقدمین میں ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظؒ(م ۲۵۵ھ) نے سب سے پہلے "نظم القرآن" کتاب لکھی۔ جو کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی پہلی کتاب تھی۔ ان کے بعد شیخ ابو بکر نیشاپوریؒ(۳۲۶ھ)، قاضی عبد الجبار اسد آبادیؒ(م ۴۱۵ھ)، عبد القادر الجرجانیؒ(م ۴۷۱ھ) نے نظم پر قلم اٹھایا اور اسے ایک باقاعدہ فن کی شکل دی۔

ب۔ متاخرین کی کاوشیں

متاخرین مفسرین میں سے کچھ نے تو اپنی تفاسیر میں نظم و ربط کا معمولی لحاظ ہی رکھا جبکہ بعض نے اسے خاص اہمیت دے کر اس الوب پر تفاسیر لکھیں۔ چنانچہ علامہ جار اللہ زمخشریؒ(م ۵۳۷ھ) نے تفسیر کشاف، امام فخر الدین رازیؒ(م ۶۰۶ھ) نے تفسیر مفاتیح الغیب، محی الدین ابن العربیؒ(۶۳۸ھ) نے تفسیر القرآن الکریم میں نظم و ربط کو کافی حد تک ملحوظ رکھا۔ اس دور میں جن علماء نے ربط و نظم پر باقاعدہ کتب لکھیں یا اپنی کتب میں ربط پر لکھا ان میں ابن الزبیر الثقفیؒ(م ۷۰۸ھ) نے البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن لکھی۔[۱]

امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشیؒ(م ۷۹۴ھ) نے البرہان فی علوم القرآن میں معرفۃ المناسبات بین الآیات کے عنوان سے ربط پر تفصیلاً لکھا۔[۲]

علامہ جلال الدین السیوطیؒ(م ۹۱۱ھ) نے الاتقان فی علوم القرآن میں آیات و سور کی مناسبت اور ربط کے حوالے سے پورا باب النوع الثانی والستون قائم کیا۔[۳] جبکہ آپ ہی نے ایک علیحدہ کتاب "تناسق فی الدرر فی تناسب السور" کے نام سے بھی لکھی۔

۱۔ ایاز احمد اصلاحی، ابن الزبیر الثقفی اور نظم قرآن، نظام القرآن مدرسہ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، شمارہ جولائی تا اگست ستمبر ۲۰۰۱ء، ج ۲ ص ۶۲

۲۔ الزرکشی، بدر الدین، البرہان فی علوم القرآن، ج ۱ ص ۳۱۷

۳۔ السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، مطبع حجازی قاہرہ، ج ۲ ص ۱۰۸

ربط و نظم پر باقاعدہ لکھی جانے والی تفسیر میں علامہ مخدوم مہائمیؒ (۸۲۵ھ) کی تفسیر "تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان" قابل ذکر ہے۔اس میں ربط و نظم کا نہ صرف التزام کیا بلکہ ربط و نظم کی اہمیت پر بھی بہت کچھ لکھا۔[۱]

اسی طرح امام برہان الدین البقاعیؒ (م ۸۸۵ھ) کی باقاعدہ مربوط تفسیر "نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور" کے نام سے لکھی گئی جو کہ نظم قرآن کے حوالے سے بہت معروف ہے۔اس میں مفسر نے ربط و نظم کی خوب ترجمانی بھی کی ہے۔[۲]

معاصر مفسرین برصغیر کی ربط و نظم پر کی گئی کاوشیں

برصغیر کے علماء نے جس طرح تفسیر کے دیگر اسالیب پر خاطر خواہ کام کیا اسی طرح ربط و نظم پر بھی ان کا کام انتہائی قابل ذکر ہے۔ جن علماء برصغیر نے اپنی کتب اور تفاسیر میں نظم و ربط کا التزام کیا ان میں سے چند ایک کا ذیل میں مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں ربط آیات پر خاص توجہ دی ہے۔ نیز دو رسائل "سبیل النجاح" اور "سبق الغایات فی نسق الآیات" اسی موضوع پر تحریر کیے۔

> مولانا حمید الدین فراہیؒ (۱۳۴۹ھ) تفسیر میں نظم و ربط کے بیان میں اپنے معاصرین میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے اس موضوع کو خصوصیت سے بیان فرمایا اور ایک مربوط تفسیر "نظام القرآن" کے نام سے تحریر کی اس کے علاوہ "دلائل النظام" اور "اسالیب القرآن" کے نام سے کتب بھی تحریر کیں۔[۳]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ (م ۱۹۹۷ء) مولانا فراہی کے شاگرد اور ان کی فکر کے امین تھے۔ انھوں نے فراہی کے مطابق ربط قرآن پر ایک تفسیر "تدبر قران" تحریر کی جو کہ ربط و نظم میں ایک عمدہ تفسیر سمجھی جاتی ہے۔اس میں انہوں نے ربط و نظم کی ہمیت کو بھی بالتفصیل واضح کیا[۴]۔ان کے علاوہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے بھی اپنی اپنی تفاسیر کو ربط و نظم کی کاوشوں سے مزین کیا۔

۱۔ المہائمی، علاؤالدین، تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان، ج ا ص ۲

۲۔ البقاعی، برہان الدین ابو الحسن، ابراہیم بن عمر، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، ج ا ص ۵،۶

۳۔ فراہی، حمید الدین، مجموعہ تفاسیر فراہی، ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان، اچھرہ لاہور ص ۵۳

۴۔ اصلاحی۔ امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ص ۴۱

مولانا حسین علی الوانیؒ (۱۳۶۲ھ) وہ مفسر ہیں جنہوں نے علماء بر صغیر میں سے ربط و نظم قرآن پر آیت بآیت اور سورۃ بسورۃ ربط پر بہت وسعت اور تفصیل سے کام کیا۔ آپ کے افادات کا مجموعہ "بلغۃ الحیران فی ربط آیات القرآن" ہے جو کہ آپ کے شاگردان رشیدان مولانا غلام اللہ خانؒ اور مولانا سید نذر حسینؒ نے تفسیر کے سبق کے دوران قلمبند کر کے طبع کرایا[1]۔ اس کے علاوہ اسی موضوع پر آپ کا ایک اور مختصر تفسیری رسالہ بعنوان "تفسیر بے نظیر" بھی مولانا حسین علی کی حیات میں دو بار طبع ہوا اور تیسری مرتبہ مولانا غلام اللہ خان نے نے اس تفسیر کو "التبیان فی تفسیر القرآن" کے نام سے شائع کیا[2]۔ ربط و نظم کا یہ تفسیری کام آپ کے اکثر شاگردوں نے جاری رکھا اور ربط و نظم کے موضوع پر کثیر مستقل کتب لکھنے کے ساتھ ساتھ کئی مربوط تفاسیر بھی تحریر کیں۔

ان ہی میں سے ایک معروف مفسر شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان تھے آپ نے اپنے شیخ کے ربط و نظم کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے ان کے افادات کو مزید واضح کرنے کے لیے تفسیر "جواہر القرآن" لکھی۔ اس میں ربط کے ان اصولوں کو بالتفصیل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا اطلاق بھی کیا جس سے یہ تفسیر نظم و ربط کا ایک عمدہ نمونہ بن گئی۔ زیر نظر مضمون میں اسی تفسیر کے نظم و ربط کے مختلف پہلوؤں کو چند عناوین کے تحت مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

تفسیر جواہر القرآن میں ربط و نظم کے بیان میں فنی کاوشیں

قرآن مجید میں موجود ربط و نظم کی اہمیت کے پیش نظر جہاں دیگر کئی تفاسیر میں اس کو ملحوظ رکھ کر تفسیر لکھی گئی ہے وہاں تفسیر جواہر القرآن میں بھی ربط و نظم کے بیان کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ ذیل میں مذکورہ تفسیر میں اس سلسلہ میں کی گئی فنی کاوشوں کا تفصیلی اور تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے اور ان ذرائع اور مناہج کو بیان کیا گیا ہے جو کہ تفسیر میں ربط و نظم کے بیان میں اختیار کیے گئے۔ بیان ربط کا یہ اسلوب مزید مربوط تفسیری کاوشوں میں راہنما اور نمونہ ثابت ہو سکتا ہے۔

۱۔ سراج الاسلام حنیف، ڈاکٹر، تسہیل، تعلیق و تحقیق بلغۃ الحیران فی ربط آیات القرآن، اشاعت اکیڈمی محلہ قصہ خوانی پشاور، ۲۰۰۸ء

۲۔ اکرام الحق، ڈاکٹر، نفس المصدر، ص۲۹

۱۔ربط و نظم بذریعہ تقسیمِ حِصصِ قرآن

جواہر القرآن میں مفسر نے مضامین قرآن کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جس سے پورے قرآن کے مضامین کو آپس میں مربوط کر دیا گیا ہے۔ان میں سے ہر حصہ الحمدللہ سے شروع ہوتا ہے۔آپ کے بیان کردہ یہ چار حصے مندرجہ ذیل ہیں:

- **پہلا حصہ (خالقیت):** یہ حصہ سورت فاتحہ سے شروع ہو کر سورت مائدہ کے آخر تک ہے۔اس حصہ میں زیادہ تر خالقیت کا بیان ہے یعنی ساری کائنات کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔
- **دوسرا حصہ (ربوبیت):** یہ حصہ سورت الانعام سے سورۃ بنی اسرائیل کے آخر تک ہے۔اس حصہ کا مرکزی مضمون ربوبیت ہے۔یعنی اس میں زیادہ تر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اس کو حد کمال تک پہنچانے والا اور ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں۔
- **تیسرا حصہ (تبارک):** یہ سورت کہف سے سورۃ احزاب کے آخر تک ہے۔اس میں زیادہ تر یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ ہی مالک و متصرف، مختار و کارساز اور برکات دہندہ ہے۔
- **چوتھا حصہ (معاد):** یہ حصہ سورت سبا سے قرآن مجید کے آخر تک ہے۔اس حصے کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ قیامت کے دن مالک و مختار صرف اللہ ہی ہو گا اور اس کے سامنے کوئی شفیع غالب نہیں ہو گا۔[۱]

اسی مکتب کے ایک اور نامور مفسر سابق مدرس جامعہ امینیہ دہلی، مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی نے انہی چار حصوں کی بنیاد پر چار جلدوں پر مشتمل تفسیر "تبیین القرآن" لکھی اور ان چار حصوں کے مضامین کو ایک شعر کی شکل میں کچھ یوں سمو دیا۔

ے اور قرآن مبیں کے کل حصص بھی کر لو یاد
چار ہیں: خلق و ربوبیت، تبارک و معاد[۲]

الغرض اس بیان حصص سے مضامین قرآن کو مربوط طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔جو کہ ربط و نظم میں کافی مفید ثابت ہوا۔

۱۔غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، ج ۱، ص ۲، (تفسیر سورۃ الفاتحہ)

۲۔نیلوی، مولانا سید محمد حسین شاہ، تفسیر تبیین القرآن، حصہ اول در بیان خلق، ۱۹۹۷ء گلستان اسلام پرنٹنگ پریس سرگودھا، ص ۳

۲-مربوط فہرست مضامین کے ذریعہ ربط و نظم کا بیان

مفسر نے آیات قرآنیہ اور سور کو مربوط و منظم کرنے کے لیے ان کو عناوین میں بیان کیا ہے۔اور ان مضامین وعناوین کو ایک فہرست کی صورت میں ہر جلد سے قبل مرتب کر کے تحریر کیا ہے۔یہ فہرست ربط و نظم کے بیان میں کافی معاون ہوتی ہے۔اس میں متعلقہ جلد کی تمام سورتوں کے مضامین کو باہم مربوط طور پر تحریر کیا گیا ہے۔جس سے سورتیں ایک لڑی میں پروئی ہوئی لگتی ہیں اور ایک مالا کی سی صورت میں دکھائی دیتی ہیں۔[۱]

۳۔ربط و نظم کے قواعد واصطلاحات پر مشتمل جامع مقدمہ

مفسر نے تفسیر کے آغاز سے قبل ایک جامع مقدمہ تحریر کیا ہے۔جو کہ اصول تفسیر کا ایک نادر ماخذ ونمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے قواعد اور مخصوص اصطلاحات کے بیان پر بھی مشتمل ہے جن کا ربط و نظم قرآن میں اطلاق و استعمال کافی مفید ثابت ہوا۔[۲] یہ اصطلاحات اپنی نوعیت کی وہ مخصوص اصطلاحات ہیں جو کہ مفسر نے اپنے شیخ مولانا حسین علی الوانیؒ کے افادات سے اخذ کر کے تحریر کیں جو کہ تفسیر کے بیان اور نص قرآنی کے فہم میں بہت اہم کردار کی حامل ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین ان اصطلاحات کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں "مولانا کے ربط اور خلاصہ جات تو ایک طویل موضوع ہے یہاں تفہیم نص قرآنی کے لیے مولانا نے جو اصطلاحات اختیار کیں انہیں کا تذکرہ کیا جائے گا۔اس سلسلہ میں وہ اپنے متقدمین ومتاخرین میں منفرد نظر آتے ہیں۔۔۔یہ اصطلاحات بھی بنیادی طور پر نظم قرآنی پر مولانا کے ذوق کا مظہر ہیں"۔[۳]

ان اصطلاحات کی مذید تفصیل ان کے اطلاق کے عنوان کے ذیل میں بیان کی جائے گی۔

۴۔خلاصہ ءسور کے ذریعے ربط و نظم کا بیان

مولانا غلام اللہ خان نے اس تفسیر میں سورتوں کے مضامین کو مربوط طور پر بیان کرنے کے لیے عموماً ہر سورۃ سے پہلے اس سورۃ کا ایک خلاصہ تحریر کیا ہے اور بعض سورتوں سے پہلے تو دو یا تین طرح کے خلاصے بھی تحریر کیے ہیں۔اور ان کو اس طرح کے عنوان دیے ہیں:

۱۔غلام اللہ خان، مولانا، نفس المصدر، فہرست جلد ا، ص ۵۹، مقدمہ

۲۔ایضاص ۲-۲۲

۳۔اکرام الحق، ڈاکٹر، نص قرآنی کی تفہیم کے لیے فنی کاوشیں اور مولانا حسین علی واں بھچروی کی اصطلاحات، نفس المصدر، ص ۲۹، ۳۰

☆تفصیلی خلاصہ

☆مختصر خلاصہ

☆خلاصہ در خلاصہ

اس طرح اس سورۃ کے تمام مضامین کو بالترتیب و بالتفصیل باہم مربوط کر کے خلاصہ میں بیان کر دیا جاتا ہے۔اکثر بعد ازاں اس کو مذید مختصر کر کے مختصر خلاصہ میں بھی بیان کیا جاتا ہے اور بعض دفعہ آخر میں پوری سورۃ کے مضامین کا حاصل اور نچوڑ خلاصہ در خلاصہ یا سورۃ کی روح کے عنوان سے بھی تحریر کر دیا جاتا ہے۔جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ سورۃ کے مضامین کا حاصل کیا ہے۔[1]

مثلاً سورۃ البقرۃ کا تفصیلی خلاصہ تحریر کرنے کے بعد مختصر خلاصہ یوں تحریر کرتے ہیں کہ:

"اس کے دو حصے ہیں، حصہ اول ابتداء سورۃ سے واولٰئک ھم المتقون(رکوع ۲۳)تک ہے اور دوسرا حصہ وہاں سے سورۃ کے آخر تک۔حصہ اول میں دو مضمون بیان کیے گئے ہیں توحید اور رسالت،ابتداء سورۃ سے ولا ھم ینصرون(رکوع ۱۵) تک توحید اور "واذا ابتلیٰ ابراہیم ربہ" سے حصہ اول کے آخر تک رسالت کا بیان ہے۔گویا کہ پہلا حصہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی تشریح ہے۔اور دوسرے حصے میں مسلمانوں کے ظاہر وباطن کی اصلاح کے طریقے اور اندرونی نظام کو درست کرنے کے لیے امور انتظامیہ بیان فرما کر مشرکین کے مقابلہ میں انہیں جہاد اور انفاق کا حکم دیا گیا ہے۔گویا کہ "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ" کی خاطر مشرکین سے جہاد کا حکم فرمایا گیا ہے"[2]۔

اس مختصر خلاصہ کے بعد سورۃ کی روح کے عنوان سے مختصر ترین خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں"دینی اور دنیاوی لحاظ سے منظم ہو کر "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ" کی خاطر مشرکین سے جہاد کرو"[3]

الغرض اس طرح کے خلاصہ جات سے سورتوں کے مضامین مرتب شکل میں سورۃ سے قبل میسر آجاتے ہیں جس سے ربط مضامین کا بآسانی تعین ہو جاتا ہے۔اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ پوری سورۃ میں ایک ہی مربوط و منظم مضمون تحریر کیا گیا ہے۔

۱۔دیکھیے تفسیر جواہر القرآن،خلاصہ سورۃ البقرۃ ص ۱۵ -۱۷

۲۔ایضاً ص ۱۷

۳۔ایضاً

۵۔ربط و نظم بذریعہ بیان ربط سورۃ بسورۃ

مفسر نے ربط و نظم کے التزام کے لیے ہر سورۃ سے پہلے اس سورۃ کا ماقبل سورۃ یا سورتوں سے ربط بیان کیا ہے اور اس کے لیے دو قسم کے ربط بیان کیے ہیں:

۱۔ربط اسمی یا ربط نامی

۲۔ربط معنوی

ذیل میں دونوں کی وضاحت مثالوں سے کی جاتی ہے۔

۱۔ربط اسمی یا ربط نامی:

ربط کی اس قسم میں سورتوں کو ان کے ناموں اور ناموں کے معانی کے ساتھ ایک دوسرے سے مربوط کر کے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ اور سورۃ الانعام کا نامی ربط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ربط نامی: اللہ تعالیٰ تم پر اپنے انعامات کا مائدہ (دستر خوان) نازل فرمائے گا بشر طیکہ تم انعام و حرث (چوپایوں اور کھیتیوں) میں غیر اللہ کی نیازیں نہ دو اور غیر اللہ کی تحریمیں نہ کرو"[1]

اسی طرح سورۃ آل عمران کا ماقبل سورتوں سے ربط نامی یوں بیان کرتے ہیں:

"سورۃ الفاتحہ میں (ایاک نعبد وایاک نستعین) سے اقرار لیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں، صرف اسی کو پکاریں اور صرف اسی ہی سے حاجات و مشکلات میں مافوق الاسباب مدد مانگیں، سورۃ البقرۃ میں گائے کی عبادت اور تعظیم سے نفرت دلائی اور سورۃ آل عمران میں تلقین فرمائی کہ اللہ کی عبادت اور پکار میں اللہ کے نیک بندوں کو شریک نہ کریں جس طرح نصاریٰ نے آل عمران کی عبادت کی اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کو الہ بنایا"[2]

اسطرح تفسیر کو گویا ایک لڑی میں پرونے کے لیے سورتوں کے ناموں کو مربوط کر کے ایک بنیادی ڈھانچہ بنایا جاتا ہے بعد ازاں ان سورتوں کو مضامین اور معانی کی بنیاد پر آپس میں جوڑا جاتا ہے۔

۱۔غلام اللہ خان، نفس المصدر، ج۱ص ۳۰۵

۲۔نفس المصدر، ص۱۳۹

۲۔ربط معنوی

سورتوں کے آپس میں بیان کردہ ربط کی دوسری قسم معنوی ربط کے نام سے تحریر کی گئی ہے۔ جس میں سابقہ سورتوں کے بیان کردہ مضامین کو آئندہ سورۃ یا سورتوں کے مضامین سے مربوط کر کے بیان کیا جاتا ہے، بعض سورتوں میں ربط معنوی کو ایک سے زائد وجوہ اور پہلوؤں میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

مثلاً سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کو تین طرح کے معنوی ربط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ سورۃ فاتحہ میں (اھدنا الصراط المستقیم) سے ھدایت کی درخواست کی گئی ہے۔اب سورۃ البقرۃ کی ابتداء میں اس کی منظوری آگئی کہ یہ لو یہ کتاب سرچشمہ ءہدایت ہے اور سیدھی راہ دکھاتی ہے۔اور پھر سورۃ میں ہدایت کا جامع اور مکمل پروگرام بیان فرمایا ہے"[۱]

بعد ازاں انہی دونوں سورتوں کا دوسرا ربط معنوی یوں بیان کرتے ہیں:

> ۲۔سورۃ فاتحہ میں تین جماعتوں کا ذکر تھا۔۱۔منعم علیھم(جن پر اللہ کا انعام ہوا)،۲۔مغضوب علیھم (جن پر اللہ کا غضب ہوا)،۳۔الضالین (گمراہ لوگ)،۔۔۔ سورۃ الفاتحہ میں ان تینوں جماعتوں کا ذکر اجمالی تھا اب سورۃ بقرۃ کی ابتدا میں لف ونشر مرتب کے طور پر قدرے تفصیل سے ان کا ذکر کیا گیا اور ساتھ ہی ان کے کچھ اوصاف اور ان کی جزا اور سزا کا بھی بیان آگیا ہے۔اسی طرح ایک تیسرا ربط بھی ساتھ ہی تحریر کیا ہے۔[۲]

ان تینوں معنوی روابط کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ مفسر نے ربط کے بیان کا کتنا اہتمام کیا ہے۔اور مذید یہ کہ ربط کو مضامین واسماءِ سور سے مکمل طور پر ہم آہنگ کر کے لکھا ہے نہ کہ دور از کار تاویلات کا سہارا لیا ہے۔اگرچہ تفسیر میں یہ ایک مشکل امر ہے تاہم یہاں بحسن وخوبی انجام دیا گیا ہے۔

۱۔نفس المصدر، ص ۱۴

۲۔ایضاً

۶۔ آیات کے ربط کا علیحدہ بیان

مفسر اس تفسیر میں عام طور پر تو آیات قرآنیہ کا مفہوم، ترجمہ و تفسیر ہی اس انداز سے کرتے ہیں کہ اگلی آیت کے مفہوم کو پچھلی آیت کے مفہوم سے مضامین کے لحاظ سے جوڑتے چلے جاتے ہیں لیکن بعض مقامات پر آیات کا آیات سے ربط علیحدہ طور پر بیان کر دیتے ہیں۔

مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۵۸ تا ۱۶۲ کا علیحدہ ربط یوں بیان کرتے ہیں:

> "گزشتہ آیتوں کا ما قبل سے تو ربط یہ ہے کہ ان میں تحویل قبلہ اور صفا اور مروہ سے متعلقہ احکام کو چھپانے والوں اور سرے سے ان کا انکار کرنے والوں کے لیے وعید شدید اور کتمان احکام سے توبہ کرنے والوں، اپنی اصلاح کرنے والوں، اور ان کو بیان کرنے والوں کے لیے بشارت کا بیان تھا اور مابعد والی آیتوں سے ان کا ربط اس طرح ہے کہ اگلی آیتوں میں دعویٰ توحید کا اعادہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا مسئلہ توحید کو چھپانے والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کا بھی وہی حشر ہو گا جو پہلے بیان ہوا۔"[۱]

اس طرح اکثر مقامات پر بہت عمدگی کے ساتھ بیانِ ربط سے تفسیر کو مربوط و منظم بنایا گیا ہے اور سیاق وسباق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مضامین کو ایک گلدستہ کی شکل دی گئی ہے اور تناسق آیات کے لیے ایک عمدہ انداز اور نمونہ مہیا کیا ہے۔

۷۔ ربط و نظم بذریعہ بیانِ عناوین

آیات کے مضامین کو عناوین میں بیان کرنا ربط میں انتہائی مفید ثابت ہوتا ہے۔ جواہر القرآن میں یہ انداز بہت عمدہ طریقے سے اختیار کیا گیا ہے چنانچہ آیات کو انتہائی مناسب عناوین اور اقسام دینے سے مضامین کو آپس میں بڑی خوبصورتی سے مربوط کر دیا گیا ہے۔ یہ عناوین مفسر نے متن قرآن اور مرکزی تفسیری حاشیہ کے درمیان ہر صفحہ پر ایک مسلسل عمودی کالم میں تحریر کیے ہیں۔ یہ عناوین مفسر نے اپنے شیخ مولانا حسین علیؒ کے افادات سے خصوصی طور پر اخذ کر کے تحریر کیے ہیں جو کہ بذات خود ربط قرآن کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ اس کالم میں

۱۔ نفس المصدر ص ۷۹

آیات میں بیان کردہ مضمون کو انواع، ابواب، اقسام، تعداد، دلائل اور تبشیر وتنذیر اور خطاب اور مخاطب وغیرہ کی صورت میں عناوین میں بیان کیا گیا ہے جس سے کلام اللہ بڑی خوبصورتی سے باہم مربوط ہو جاتا ہے۔[۱]

۸۔ مضامین قرآن کا تعین اور ترتیبِ مضامین کے ذریعہ ربط کا بیان

مفسر نے قرآن مجید کے تمام مرکزی مضامین کی تعداد چھے بتلائی ہے۔ ان کو قرآن کے مضامین ستہ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کے بقول قرآن مجید میں جو چھے مضامین بیان کیے گئے وہ یہ ہیں:

> ۱۔ توحید ،۲۔ رسالت، ۳۔ قیامت، ۴۔ احکام، ۵۔ تخویف، ۶۔ بشارت ، ان کے علاوہ دلائل بطور شواہد اور قصص بطور عبرت وتذکیر بایام اللہ بیان کیے گئے ہیں جبکہ قیامت کا تذکرہ بطور اخروی تخویف کے آیا ہے۔ احکام کا بیان مسلمانوں کی جماعت کو ایک نظام کے تحت منظم کرنے کے لیے جبکہ رسالت کا بیان توحید کے لیے کیا گیا ہے۔ تو گویا اصلی مقصود توحید ہے باقی سب اس کے توابع ہیں۔[۲]

اس طرح مضامین کے تعین اور وجوہ بیان کو واضح کرنے سے ربط قرآن کی راہ ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ مفسر نے مضامین کو مذید مربوط کرنے کے لیے قرآن کے مضامین کی ترتیب بھی علیحدہ سے بتلا دی۔ ان کے نزدیک قرآن مجید میں اکثر مضامین کا طریقہ ذکر یہ ہے کہ پہلے تمہید ہوتی ہے پھر اصل مضامین یا دعوے ذکر کیے جاتے ہیں پھر لف ونشر مرتب یا غیر مرتب کے طور پر ان مجامین کا اعادہ کیا جاتا ہے یا قصص وواقعات کو ان پر متفرع کیا جاتا ہے یا اسی طریق سے ثمرات ونتائج کو بیان کیا جاتا ہے۔ اور مضامین کا یہ طریق بیان سورۃ مائدہ سے لے کر حوامیم سبعہ کے آخر تک مسلسل چلا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی کہیں کہیں یہی طرز بیان پایا جاتا ہے۔[۳]

اس ترتیب کے تعین وبیان سے مفسر نے ربط ونظم قرآنی میں ایک اہم اور بنیادی اصول فراہم کیا ہے اور پوری تفسیر میں اس کا اطلاق بحسن وخوبی کیا ہے جس سے مضامین قرآن آپسمیں مکمل طور پر مربوط ہو جاتے ہیں یہ ربط ونظم کے لیے عمدہ نمونہ ہے۔

۱۔ دیکھیے تفسیر جواہر القرآن، عمودی کالم، ج۳، ۲، ۱

۲۔ غلام اللہ خان، مولانا، نفس المصدر، ج۱ ص۹، مقدمہ حصہ دوم

۳۔ ایضاً

۹۔ مخصوص اصطلاحات کے اطلاق کے ذریعہ نظم وربط

جواہر القرآن کے مؤلف نے اس تفسیر میں ربط و نظم کے بیان میں جو اہتمام سب سے زیادہ کیا وہ اپنے شیخ حسین علیؒ سے مستفاد مخصوص تفسیری اصطلاحات کا اطلاق ہے۔ان اصطلاحات کے اطلاق کے ذریعے تمام آیات و سور کو باہم مربوط و منسلک کر دیا گیا ہے۔یہ اصطلاحات مفسر نے مقدمہ میں بالتفصیل تحریر کر دی ہیں۔ان کی تعداد تقریباً پندرہ ہے۔ان اصطلاحات کے بیان میں یہ مکتب تفسیر منفرد مقام رکھتا ہے۔اور اس مکتب تفسیر نے ان آیات قرآنیہ کے مضامین کو باہم جوڑنے میں ان اصطلاحات کا بڑی عمدگی اور خوبصورتی سے استعمال و اطلاق کیا ہے۔اور آیات کا مفہوم ان آیات کی روشنی میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ ان میں ایک عمدہ ربط پیدا ہو گیا ہے۔

ان اصطلاحات کی افادیت کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر اکرام الحق لکھتے ہیں:

"اور غالباً یہی اصطلاحات ہیں جن کی بنا پر طلبہ و علماء دوماہ سے بھی کم عرصہ میں قرآن مجید کی مختصر تفسیر سیکھ کر اس کے بیان و تعلیم کے قابل بھی ہو جاتے ہیں یہ اصطلاحات بھی بنیادی طور پر نظم قرآنی پر مولانا کے ذوق کا مظہر ہیں۔"[1]

یوں تو یہ تمام اصطلاحات ربط و نظم کے لیے انتہائی اہم ہیں لیکن چند ایک کو یہاں بطور خاص نمونہ کے طور پر تحریر کیا جاتا ہے۔

ا۔ دعویٰ

دعویٰ یا موضوع سورۃ سے مراد سورۃ کا مرکزی مضمون بتلایا گیا ہے۔جو تمام سورۃ کے لیے بمنزلہ محور ہوتا ہے۔سورۃ کے باقی تمام مضامین اسی کے گرد گھومتے ہیں اور اس دعویٰ کا بیان تمام سورۃ میں ہوتا ہے جیسے درخت کے لیے بیج، جس کا درخت کے ہر پتہ و شاخ میں اثر ظاہر ہوتا ہے۔اسی وجہ سے ہر درخت ایک دوسرے سے ممتاز نظر آتا ہے۔بعینہٖ اسی طرح سورۃ کی ہر آیت کو اصل دعویٰ سے ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے اور اس دعویٰ کی بنیاد پر ایک سورۃ دوسری سورۃ سے ممتاز نظر آتی ہے۔[2]

فراہی مکتب تفسیر میں سورۃ کے نظم میں عمود کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور سورۃ کے دیگر مضامین اسی عمود کے گرد گھومتے ہیں۔گویا حسین علی مکتب تفسیر کی اصطلاح "دعویٰ" اور فراہی مکتب کی اصطلاح "عمود" تقریباً

۱۔اکرام الحق۔ڈاکٹر، نفس المصدر، ص ۳۰

۲۔غلام اللہ خان، مولانا، البرہان فی اصول تفسیر جواہر القرآن، ص ۷،

ایک طرح کے مقصد ہی کی ترجمانی کرتی ہیں۔ دونوں اصطلاحات کے الفاظ مختلف ہونے کے باوجود نظم قرآن کا بیان دونوں کا بنیادی مقصد ہے۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس اصطلاح کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

"نظم کا مطلب یہ ہے کہ ہر سورۃ کا ایک خاص عمود یا موضوع ہوتا ہے۔ اور سورۃ کی تمام آیتیں نہایت حکیمانہ مناسبت اور ترتیب کے ساتھ اس موضوع سے متعلق ہوتی ہیں۔"[1]

دعوٰی سورۃ سے سورۃ کے دیگر تمام مضامین منسلک ہو کر جہاں ایک عمدہ نظم و ربط پیدا کرتے ہیں وہاں اسی کے ساتھ ساتھ نص قرآنی کی تفہیم بھی آسان ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر اکرام الحق اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"یہ اصطلاحات بھی بنیادی طور پر نظم قرآنی پر مولانا کے ذوق کا مظہر ہیں اسی لیے ان کی ابتداء دعوٰیء سورۃ سے ہوتی ہے۔ مگر دوسری طرف وہ صرف نظم و ربط سور و آیات میں منحصر نہیں بلکہ قرآنی نص کو ان کے ذریعے ایسے عناوین دیے گئے ہیں کہ محض قرآن مجید کا ترجمہ جاننے والا شخص اس کے مضامین سے بھی واقف ہو جاتا ہے۔"[2]

مفسر نے اس اصطلاح کی تحقیق کافی گہرائی سے کی ہے اسی لیے دعوٰئے سورۃ کے بارے میں یہ نشاندہی بھی کی ہے کہ ایک دعوٰی بعض سورتوں میں ایک سے زیادہ بار بھی دہرایا گیا ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ کا دعوٰی توحید تین مرتبہ دہرائے جانے کا ذکر کیا ہے تاکہ دعوٰی کے تمام پہلو مخاطبین کے لیے مکمل طور پر واضح ہو جائیں اور مضامین کا ارتباط اعادہء دعوٰی سے مذید مستحکم ہو جائے۔[3]

الغرض دعوئے سورۃ یا موضوعِ سورۃ کلام اللہ کو مربوط کرنے میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس لیے دیگر تمام اصطلاحات بھی اسی سے منسلک اور وابستہ نظر آتی ہیں اور مفسر نے ان کا اطلاق بھی بَاحسن کیا ہے۔

۲۔ دلیل

مفسر نے دعوٰئے سورۃ کے اثبات کے لیے دلائل کی اصطلاح اختیار کی ہے۔ ان کے نزدیک سورۃ میں دلائل ان بیانات کو کہا جاتا ہے جن سے دعوٰی ثابت کیا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید میں دعوٰی ثابت کرنے کے لیے درج ذیل چار قسم کے دلائل بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ اصلاحی، مولانا امین احسن، مبادی تدبر قرآن، ۱۹۸۰ء، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ص ۱۷۳

۲۔ اکرام الحق، ڈاکٹر، نفس المصدر، ص ۳۰

۳۔ غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، ج ۱ ص ۲۶

١۔ دلیل عقلی محض

٢۔ دلیل عقلی مع اعتراف الخصم

٣۔ دلیل نقلی

٤۔ دلیل وحی

یہ اصطلاح ربط و نظم میں اس طرح کردار ادا کرتی ہے کہ دعوٰی کے بعد آنے والی آیات دلائل کی ان چاروں اقسام میں سے اگر کسی بھی قسم سے متعلق ہو تو ان کا مفہوم دعوٰی سے مربوط ہو جاتا ہے۔ ذیل میں دلائل کی ان اقسام کو امثلہ سے واضح کیا جاتا ہے۔

١۔ دلیل عقلی محض

دلیل عقلی اس دلیل کو کہتے ہیں جس میں ایسے امور مذکور ہوں جن کا تعلق عقل سے ہے۔ دلیل عقلی کے ذریعے ہر صاحب عقل مخاطب، دعوٰی کو سمجھ سکتا ہے چاہے وہ کافر و مشرک ہو یا دہریہ یا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ پھر دلیل عقلی کو مزید دو اقسام میں بیان کیا ہے:

١۔ (انفسی) یعنی نفس انسان اور اس کے وجدان سے متعلق عقلی دلیل

٢۔ (آفاقی) یعنی اس کے علاوہ باقی تمام عالم سے متعلق عقلی دلیل۔[1]

دعوٰی اور اس کی دلیل عقلی محض کی مثال دیتے ہوئے مفسر سورۃ البقرۃ کی یہ آیات پیش کرتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ-الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[2]

سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ﴾ اس سورۃ کا دعوٰی توحید ہے۔ یعنی اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ پھر ﴿**الَّذِي خَلَقَكُمْس رِزْقًا لَكُمْ**﴾ تک دلیل عقلی ہے۔ یعنی تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کوئی نہیں۔ اسی طرح تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اسی نے بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر زمین سے تمہاری روزی کا سامان بھی اسی نے پیدا

١۔ غلام اللہ خان، مولانا، مقدمہ جواہر القرآن ج ا ص ٢، والبرہان ص ٧

٢۔ البقرۃ، ٢۔ ٢١، ٢٢

کیا۔ تمہارے معبودان باطلہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾ دلیل کا نتیجہ ذکر فرمادیا۔ یعنی جب تم جانتے ہو کہ یہ سارے کام کرنے والا اللہ ہے تو پھر کسی کو عبادت میں اس کا شریک نہ بناؤ۔[۱]

اس مثال سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ اس طریقہ سے آیات کتنی خوبصورتی سے باہم مربوط اور جڑی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ورنہ اولاً عبادت باری تعالیٰ کے حکم کے بعد تخلیق انسانی کا ذکر اور اس کے بعد ارض و سما کی تخلیق اور بارشوں کا نازل ہونا اور ثمرات کا پیدا ہونا بظاہر ایک دوسرے سے مختلف چیزیں ہیں لیکن ان کو دعویٰ کے عقلی دلائل قرار دینے سے آیات ایک ہی مضمون کا ایک گلدستہ معلوم ہوتی ہیں اور پھر ساتھ ہی﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾ کو دلیل کے نتیجہ کے طور پر ذکر کر کے مرکزی دعویٰ سے بڑی عمدگی سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک منطقی اور حسین ربط پیدا ہونے سے آیت کا مفہوم و پیغام بھی بڑی وضاحت سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

ب۔ دلیل عقلی مع اعتراف الخصم

مفسر نے اپنے شیخ کے افادات کے ذریعہ آیات کی ایک اور قسم کو دعویٰ سے مربوط کرنے کے لیے ایک اصطلاح "دلیل عقلی مع اعتراف الخصم "متعارف کروائی ہے۔ ان کے نذدیک یہ وہ دلیل ہے جس کو منکرین سے استفہام کے طور پر بیان کیا جائے اور ساتھ ہی ان کے تسلیمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب بیان کیا جائے۔[۲]

اس اصطلاح کی مثال میں سورۃ یونس کی درج ذیل آیت بیان کرتے ہیں:

﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾[۳]

اس آیت کریمہ کی ابتداء میں چند ایسے امور ذکر فرمائے جن کے بارے میں مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ ان امور کا فاعل اور کارساز صرف اللہ ہی ہے۔

اس لیے آخر میں فرمایا:﴿فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ﴾ یعنی وہ جواب میں یہی کہیں گے (ان تمام کاموں کا کرنے والا) اللہ ہی ہے۔ جو ان کے اقرار پر دلالت کرتا ہے۔[۴]

۱۔ غلام اللہ خان، مولانا، نفس المصدر، ص ۲

۲۔ ایضاً

۳۔ یونس ۱۰: ۳۱

۴۔ غلام اللہ خان، مولانا، نفس المصدر،

اس اصطلاح سے نہ صرف استدلال مذید مضبوط ہو جاتا ہے بلکہ اس سے اس طرح کی آیات دعوٰی سے منسلک ہو کر بڑی عمدگی سے مربوط بھی ہو جاتی ہے۔اس اصطلاح کی افادیت کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر اکرام الحق یوں رقمطراز ہیں:

> "پھر وہ سورۃ کے دعوٰی کے لیے دلائل تلاش کرتے ہیں۔دلائل عقلی اور دلائل نقلی تو عام اصطلاح ہیں ہی،مولانا نے عمل استدلال کو مذید لطیف بنانے کے لیے دلیل عقلی مع اعتراف الخصم اور دلیل وحی کی اصطلاحات بھی متعارف کروائی ہیں"۔[۱]

ان دونوں اقسام کے دلائل عقلیہ کے لیے شاہ ولی اللہؒ نے قرآن مجید کے علوم خمسہ میں :"علم التذکیر بآلاء اللہ "کی اصطلاح استعمال کی ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرکے نصیحت کرنا ہے۔[۲]

ج۔دلیل نقلی

ربط و نظم کے لیے یہ اصطلاح بکثرت استعمال کی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب دعوٰی کے اثبات کے لیے کوئی نقل یا منقول واقعہ پیش کیا جائے تو وہ دلیل نقلی کہلائے گی۔پھر دلیل نقلی کی درج ذیل سات قسمیں بیان کیں:

۱۔گزشتہ آسمانی کتب سے

۲۔انبیاءؑ سابقین سے اجمالاً

۳۔انبیاءؑ سابقین سے تفصیلاً نام بنام

۴۔کتب سابقہ کے علماء سے جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔

۵۔جنات سے

۷۔ملائکہ سے

۸۔پرندوں سے

ان اقسام میں سے گزشتہ کتب سے منقول دلائل عقلیہ کی ایک مثال ذیل کا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔اکرام الحق،ڈاکٹر،نفس المصدر،ص ۳۰

۲۔شاہ ولی اللہ،الفوز الکبیر فی اصول التفسیر،۱۹۸۷،وفاقی وزارت تعلیم اسلام آباد پاکستان،ص ۱۸

﴿وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا﴾[۱]

اس آیت میں توراۃ سے دلیل نقل کی گئی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ۔ لہذا یہ توراۃ سے دلیل نقلی ہے۔[۲]

اسی طرح انبیاء سابقین سے اجمالاً دلیل نقلی کی مثال یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾[۳]

اس آیت مبارکہ میں سابقہ انبیا علیھم السلام سے اجمالاً دلیل نقلی ذکر کی ہے کہ اے پیغمبر ﷺ آپ سے پہلے ہم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میں (اللہ تعالیٰ) کے سوا دوسرا کوئی الہ (معبود) نہیں ہے اس لیے صرف میری ہی عبادت کرو۔[۴] مفسر قرآن میں دلیل نقلی کے ذکر کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دعویٰ توحید میں حضرت رسول کریم ﷺ منفرد نہیں بلکہ آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کرامؑ بھی مسئلہ توحید بیان فرماتے رہے ہیں۔[۵]

اسی طرح دیگر نقلی دلائل کی بھی نشاندہی کر کے دعویٰ کے ساتھ اس طرح کی آیات کو باہم منسلک کیا گیا ہے۔ اس سے نہ صرف متفرق انبیاء و ملل کے ذکر کیے گئے تمام واقعات کے تکرار اور تذکرہ کی وجہ معلوم ہوتی ہے بلکہ اس طرح کی آیات ایک مضمون کے ساتھ عقلی دلیل کے طور پر مربوط ہو کر ایک ہی مضمون بن جاتی ہیں۔ چنانچہ اس اصطلاح کے ذریعے مفسر نے ربط و نظم کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کر کے فہم قرآنی کو بھی مزید آسان بنا دیا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے گزشتہ انبیاء و اقوام کے تذکرہ والی آیات کے لیے "علم التذکیر بایام اللہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔[۶] یعنی ان آیات میں گزشتہ زمانہ اور اقوام کی جزا و سزا کو ذکر کر کے نصیحت کی گئی ہے۔ یہ اصطلاح کسی حد تک جزوی طور پر دلیل نقلی سے ملتی جلتی ہے۔

۱۔ الاسراء ۱۷: ۲

۲۔ غلام اللہ خان، مولانا، مقدمہ جواہر القرآن، ص ۲، والبرہان، ص ۹

۳۔ الانبیاء ۲۱: ۲۵

۴۔ غلام اللہ خان، نفس المصدر،

۵۔ ایضاً

۶۔ شاہ ولی اللہ۔ الفوز الکبیر، ص ۱۸

د۔ دلیل وحی

ربط کے بیان میں دعوٰی اور اس کے دلائل کا بیان افادیت کے اعتبار سے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی ایسی آیات جن میں نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے اعلان کروایا گیا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے یا مجھے منع کیا گیا ہے۔ اس کو مفسر نے "دلیل وحی" کی اصطلاح دے کر ان آیات کو دعوٰی سے مربوط و منسلک کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"کبھی دعوٰی کو ثابت کرنے کے لیے اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں فرمائیں کہ میں اپنی رائے سے کچھ نہیں کہ رہا بلکہ مولائے کریم جل شانہٗ کا حکم بیان کر رہا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کو تمہارے تک پہنچا دوں۔"[1]

اس دلیل کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِن رَّبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[2]

(یعنی فرما دیجیے مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جنکو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔۔۔)

اس طرح کی آیات کو مفسر نے دلائل وحی کی اصطلاح کے طور پر دعوٰی سورۃ سے جوڑ دیا ہے جس سے ربط و نظم کا کمال ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ تخویف

قرآن مجید کی کثیر آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب اور سزاؤں کا ذکر ہے۔ مفسر نے ایسی آیات کو دعوٰی منوانے کے لیے ڈراوے کی آیات قرار دیتے ہوئے انہیں دیگر مضامین سے مربوط کر دیا اور ان کے لیے "تخویف" کی اصطلاح استعمال کی۔ پھر اس اصطلاح کو مزید دو قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے لکھا کہ اگر گرفت کا تعلق دنیا سے ہو تو وہ "تخویف دنیوی" اور اگر اس کا تعلق آخرت سے ہو تو وہ "تخویف اخروی" ہے۔[3]

۱۔ غلام اللہ خان، مولانا، البرہان ص ۱۱، و مقدمہ جواہر القرآن

۲۔ غافر ۴۰: ٦٦

۳۔ غلام اللہ خان، مولانا، البرہان ص ۱۲

اس طرح ایسی آیات جن میں دنیوی عذاب، پکڑ اور سزا یا آخرت کی پکڑ، سزا اور عذاب جہنم وغیرہ کا ذکر ہے، کو بڑے علمی انداز سے دعوٰی سے مربوط اور منسلک کر کے ربط پیدا کر دیا اور انہیں دعوٰی کو منوانے کے لیے ڈرانے اور خوف دلانے والی آیات کا نام دے دیا۔ تخویف دنیوی کی مثال یہ آیت مبارکہ دی ہے:

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ﴾[1] (اور ان سے پہلے ہم نے کئی جماعتیں تباہ کیں)

اسی طرح تخویف اخروی کی مثال یہ آیت مبارکہ ہے:﴿وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾[2](اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا چلائیں گے)

اس طرح کی کثیر آیات دعوٰی کو نہ ماننے والوں کے لیے تخویف کے طور پر دعوٰے سورۃ سے بڑی عمدگی سے مربوط ہو جاتی ہیں۔

۴۔ تبشیر یا بشارت

اس اصطلاح کو تخویف کے مقابلے میں اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی تخویف کے بالمقابل دعوٰی کو ماننے والوں کے لیے قرآن میں انعامات کی خوشخبری بیان کرنے والی کثیر آیات آتی ہیں انہیں بشارت کی اصطلاح دی گئی ہے۔ گویا اس طرح کی آیات کو یہ اصطلاح دے کر دعوٰی سے مربوط کر دیا گیا ہے۔

پھر اس کو بھی دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ا۔ بشارت دنیوی ۲۔ بشارت اخروی

بشارت دنیوی کی مثال آیت مبارکہ:﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ---الخ﴾[3]

جبکہ بشارت اخروی کی مثال آیت مبارکہ

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾[4]

(یعنی ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے بطور مہمانی جنت کے باغات ہوں گے۔) یہ بشارت اخروی کی مثال ہے۔ اور یہ اصطلاح شاہ ولی اللہؒ کی علوم خمسہ کی اصطلاح "تذکیر بالموت وما بعد الموت" کے زمرے میں آتی ہے۔ یعنی بشارت اخروی موت کے بعد آخرت کے انعامات و احوال کی خبر پر ہی مشتمل ہوتی ہے۔

ا۔ مریم۱۹: ۹۸

۲۔ مریم۱۹: ۸۶

۳۔ النصر۱۱۰: ۱-۳

۴۔ کہف۱۸: ۱۰۷

۵۔ شکوٰی

اس اصطلاح کے ذریعے مفسر نے ایک خاص قسم کی آیات کو دعوٰی کے ساتھ بڑی خوبی سے مربوط کر دیا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جب منکرین دعوٰی مقابلہ میں دعوٰی پیش کرنے والوں کو مختلف طریقوں سے ذلیل و عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کے عجز کو دیکھ کر ان کے پیش کردہ دعوٰی کو چھوڑ دیں تو ایسے لوگوں کے حالات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکایت کی جاتی ہے۔ اسے شکویٰ کہتے ہیں۔ شکوٰی کی پہچان یہ بتلائی کہ اس کی ابتداء (قال) یا (قالوا) سے ہوتی ہے۔ بعض اوقات اللہ کی طرف سے جواب شکوٰی بھی ساتھ ہی مذکور ہوتا ہے۔[1]

اس کی مثال میں یہ آیت بیان کی گئی ہے:

﴿وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا﴾[2]

(انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان لانے کے نہیں جب تک کہ آپ زمین سے ہمارے لئے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں۔)

یوں اس طرح کی آیات بھی دعوٰی سے ایسے مربوط اور منسلک کر دی گئی ہیں کہ یہ کوئی الگ موضوع نہیں رہ جاتا بلکہ ایک ہی مضمون کا ایک اہم پہلو بن جاتا ہے۔

۶۔ زجر

اس اصطلاح کے ذریعے مفسر نے ایسی آیات کو دعوٰی سے جوڑا ہے جن میں منکرین دعوٰی کو ان کی ناجائز حرکات اور ان کے نامعقول مطالبات پر جھڑکا جاتا ہے اسے زجر و توبیخ کی باقاعدہ اصطلاح قرار دیا گیا ہے۔[3] اس کی مثال یہ آیت مبارکہ دی گئی ہے:

﴿ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾[4]

۱۔ ایضاً،

۲۔ الاسراء۱۷: ۹۰

۳۔ غلام اللہ خان، نفس المصدر، ص ۴

۴۔ غافر۴۰: ۸۳

(جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اس علم (من گھڑت قصے کہانیوں) پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا۔یعنی انبیا علیہم السلام نے ان لوگوں کے سامنے دلیلیں اور معجزے پیش کیے مگر وہ اپنے باطل پر اکڑ گئے اور حق قبول نہ کیا۔)

۷۔ تسلی یا تسلیہ

دعوٰی توحید پیش کرنے والوں پر جب منکرین دعوٰی کی طرف سے طرح طرح کی تکالیف اور ایذائیں آتی ہیں اور وہ ان کی تکذیب بھی کرتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوٰی پیش کرنے والوں کو تسلی دی جاتی ہے جس سے ان کے دلوں کو مضبوط اور زیادہ مطمئن کرنا مقصود ہوتا ہے ایسی آیات کو آیات تسلی یا تسلیہ کہا جاتا ہے۔[۱]

جیسے کہ نبی اکرم ﷺ قرآن مجید میں مختلف انداز تعبیر سے تسلی دی ہے مثلاً ارشاد ہوا:

﴿ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ ﴾[۲]

(اگر وہ آپ کو جھٹلائیں (تو آپ اس کی ہر گز پرواہ نہ کریں) کیونکہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا جاچکا ہے)

ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ﴾[۳]

(یعنی جو بات کافر کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجیے۔۔۔الخ)

الغرض اس طرح کی آیات کو تسلی یا تسلیہ کی اصطلاح کے ذریعے دیگر اصطلاحات کے ساتھ مربوط کر کے ان کے معانی و مطالب کو قرآن کے مرکزی دعوٰی توحید و مابعد آیات سے بڑی خوبصورتی سے منسلک و مربوط کر دیا اور ربط کے اپنے فن کو تکنیکی طور پر ترجمہ و مفہوم پر منطبق کر دیا۔

۸۔ اُمور انتظامیہ

۱۔ غلام اللہ خان مولانا، نفس المصدر ص ۵

۲۔ الفاطر ۳۵: ۴

۳۔ المزمل ۷۳: ۱۰

ایسے احکامات جن میں تدبیر منزل،سیاست مدن،اور سیاست ملکیہ کا ذکر ہو ،امور انتظامیہ کہلاتے ہیں۔معاملات و معاشرۃ جیسے لین دین،خرید و فروخت، گواہی، نکاح،طلاق ،عدت، رضاعت،وغیرہ سب اسی میں آجاتے ہیں۔[۱] گویااس طرح کے احکام والی آیات کو امور انتظامیہ کی ایک ہی اصطلاح کے ذریعے آپس میں اور سابق مضمون سے بڑی خوبصورتی سے مربوط کر دیا گیااور یہ واضح کر دیا کہ انہیں مقصد کے حصول کے لیے اصلاح معاشرہ کے قوانین کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

مفسر امور انتظامیہ کو دیگر مضامین سے مربوط کرتے ہوئے ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

"آگے حصہ دوم شروع ہوتا ہے جس میں جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہے۔جہاد فی سبیل اللہ صرف وہی قوم کر سکتی ہے جو آپس میں منظم ہو اور جس کا اندرونی نظم و نسق درست ہو۔اس لیے جہاد کے ساتھ ساتھ امور انتظامیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔اور ان کے بارے میں اسلامی طرز عمل کی کی وضاحت کی گئی ہے۔"[۲]

اس طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"اب اصل مسائل شروع کرنے سے پہلے امور انتظامیہ بیان فرمائے ہیں کیونکہ باہمی نظم وضبط اور محبت وانس کے بغیر اجتماعی قوت کے ساتھ جہاد ناممکن ہے۔"[۳]

اس طرح کی احکامی آیات کو اس اصطلاح کے ساتھ باہم مربوط کر کے مضامین کے تسلسل کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔جس سے قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ منطقی وانتہائی معقول ربط میں آگیا ہے۔

۹۔اُمورِ مصلحہ

قرآن مجید میں اکثر مقامات میں نماز،روزہ اور حج جیسی عبادات کا تذکرہ مختلف واقعات واحکام کے دوران آتا رہتا ہے۔ان کے لیے مفسر نے "اُمورِ مصلحہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے اور اس کے ذریعہ مفسر نے ایسی آیات کو مربوط کر دیا ہے۔اس اصطلاح کی رو سے دعوٰی کو ماننے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعوٰی پر مضبوطی سے قائم

۱۔نیلوی، محمد حسین شاہ، مولانا، تبیین القرآن ج ا، ص ۱۱۴

۲۔غلام اللہ خان، مولانا، نفس المصدر ص ۱۶

۳۔نفس المصدر، ص ۸۷

رہیں۔ اور اُمور انتظامیہ جیسے قصاص، نکاح، طلاق، وصیت، اور وراثت وغیرہ کے جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کے مطابق عمل کریں تاکہ مسلمان باہم منظم، متحد اور متفق رہیں۔ اور یہ پابندیٔ احکام چونکہ ایک دشوار امر ہے اس لیے ان کے ساتھ کچھ ایسے امور کا بیان ضروری ہے جو استقامت اور عمل صالح پر مدد و معاون ہوں جن سے باطن کی اصلاح ہو اور موحد ہر مشکل حکم کے عمل پر آسانی کے ساتھ آمادہ ہو جائیں اسی لیے ایسے امور و احکام کو "امور مصلحہ" کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں عام طور پر تین امور مصلحہ "نماز، روزہ، اور حج "کا کثرت سے حکم دیا گیا ہے۔ ان امور کے باہم مربوط مذکور نہ ہونے کی وجہ مفسر نے ان کا مقصد قرار دی جو کہ اصلاح باطن ہے۔ اس لیے عموماً اسے امور انتظامیہ کے درمیان بیان کر دیا جاتا ہے۔[1]

اسی اصطلاح کے بارے میں ایک جگہ مفسر لکھتے ہیں:

"امور انتظامیہ کی پابندی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو، اس کا باطن درست ہو اور اس کی نیت نیک ہو۔ اس لیے امور انتظامیہ کے ساتھ اور ان کے درمیان چند امور مصلحہ کا ذکر فرمادیا مثلاً نماز، روزہ اور حج۔"[2]

اس طرح مفسر نے نماز، روزہ، اور حج سے متعلقہ قرآن میں موجود کثیر آیات کو امور مصلحہ کے طور پر مرکزی مضمون سے مربوط کر کے ان کو گویا ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور اس سوال کا جواب مہیا کر دیا ہے کہ ان عبادات کا تذکرہ عموماً اثناء واقعہ یا کسی مضمون کے درمیان میں کس حکمت اور ربط کے تحت مذکور ہوتا ہے۔

۱۰۔ ادخال الٰہی

قرآن مجید میں بعض مقامات پر کوئی مضمون یا قصہ و واقعہ چل رہا ہوتا ہے جبکہ اس میں اس مضمون کے علاوہ کوئی اور آیت ہوتی ہے جو کہ اس مضمون سے بظاہر متعلق نہیں ہوتی۔ ربط کا متلاشی اس آیت کا سیاق و سباق سے ربط ڈھونڈتا ہے جو کہ ایک مشکل امر ہے۔ لیکن جواہر القرآن کے مؤلف نے ایسی آیات کو "ادخال الٰہی" کی اصطلاح استعمال کر کے ربط مضمون کو قائم رکھا ہے۔ چنانچہ کوئی قصہ بیان کرتے ہوئے اثناء کلام میں جو بات خود اللہ تعالیٰ اپنی

۱۔ غلام اللہ خان، نفس المصدر، ص۵، / نیلوی، نفس المصدر، ص۸۷

۲۔ نفس المصدر، ص۸۷

طرف سے ارشاد فرماتے ہیں اسے ادخال الٰہی کہا جاتا ہے۔ یہ ادخال الٰہی اس قصہ یا مضمون کا حصہ تو نہیں ہوتا مگر اس سے متعلق ضرور ہوتا ہے۔ یہ عموماً اس قصہ یا مضمون میں پیدا ہونے والے سوال یا شبہ کا جواب ہوا کرتا ہے۔[1]

اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُۥ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ﴾[2]

(اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو تم پر جس عذاب کا وعدہ دیتا ضرور پڑے گا)

یہ تقریر فرعون کے اس درباری شخص کی تھی جو موسیٰؑ پر دل و جان سے ایمان لا چکا تھا۔ اس کی اس تقریر کے بعد آیت ﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾[3] ادخال الٰہی ہے۔ اور مفسر کے بقول اس کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے یعنی کیا اس شخص کی تقریر سے فرعون کو فائدہ ہوا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو مسرف اور جھوٹا ہو اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا۔[4] یوں مضمون کے اندر آنے والی اس طرح کی آیات کو انتہائی معقول وجہ کے ساتھ ادخال الٰہی کی اصطلاح کے ذریعے ایک مربوط مضمون بنا دیا گیا ہے اور ربط کا حسن قائم رکھا ہے۔

الغرض مذکورہ بالا اور اس طرح کی چند مزید اصطلاحات کے ذریعہ مفسر نے مضامین قرآن کے فہم اور ربط کو انتہائی آسان بناتے ہوئے بیان کر دیا ہے۔ مفسر نے ان اصطلاحات کے تعین میں جو خصوصی بات ملحوظ رکھی وہ یہ تھی کہ یہ اصطلاحات آپس میں بھی مربوط و منظم اور ایک دوسری پر منحصر ہیں جس وجہ سے ایک اصطلاح کا تعلق دوسری سے بڑی عمدگی سے جڑا ہوا ہے۔

در حقیقت ان اصطلاحات کو متعارف کروانا اور ان کا اطلاق کر کے تفسیر تحریر کرنا یہ مفسر اور ان کے شیخ کا ایک امتیازی کارنامہ اور خصوصیت ہے۔ نیز ان اصطلاحات کا استعمال قرآن فہمی اور ربط کا باعث ہونے کے ساتھ ساتھ ایجاز و اختصار کا ذریعہ بھی بنایا گیا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار ڈاکٹر اکرام الحق یوں کرتے:

۱۔ نفس المصدر، ص۶/ نیلوی نفس المصدر ص۶

۲۔ غافر ۴۰: ۲۸

۳۔ ایضاً

۴۔ غلام اللہ خان، مولانا، نفس المصدر، ص۶، البرہان ص ۲۴

"آپ کا ذوق نکتہ رس زیادہ تفسیری تفاصیل میں جائے بغیر اپنے مخصوص انداز میں پیغام قرآنی کی ادائیگی کے لیے اصطلاحات کی تلاش میں زیادہ متوجہ نظر آتا ہے۔"[۱]

تفسیر جواہر القرآن میں ربط و نظم کے بیان میں اختیار کی گئی مذکورہ بالا تمام فنی اور علمی کاوشیں بلاشبہ اس مکتب تفسیر کی ترجیحاتی تعلیمات ہیں جن سے کلام اللہ کی مراد کو بشری استطاعت کی حد تک انتہائی خوبصورتی اور ترتیب سے واضح کرنے کی بڑی عمدہ اور بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ اور اس ربط میں جو امر سب سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آیات کے معانی و مفاہیم کو دیگر قرآنی آیات، صحیح احادیث اور اقوال صحابہ، اور راجح اقوال کی روشنی میں سیاق و سباق کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور موضوع روایات، اسرائیلیات یا دور از کار تاویلات کا سہارا نہیں لیا گیا۔ اور بیان ربط کے جو ذرائع استعمال کیے گئے ہیں ان سے تفسیر کی ترتیب و تدوین بھی ایک عمدہ علمی شاہکار بن گئی ہے۔ یہ اندازِ بیانِ ربط دور حاضر میں شائقین تفسیر میں ربط و نظم کی طلب کے بڑھتے ہوئے رجحان میں تفسیر کے بیان میں ایک عمدہ نمونہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس سے استفادہ تفسیر فہمی میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

۱۔ اکرام الحق ڈاکٹر، نفس المصدر، ص ۳۶